۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء

REGD. No. L. 922
R. No. 2196/57

ہفتہ وار

ہماری زبان

ایڈیٹر: آل احمد سرور

اس شمارے میں

آل احمد سرور

کچھ اپنے متعلق

ساڑھے تیرہ برس سے میں ہماری زبان کے لئے اداریے لکھ رہا ہوں۔ اس طویل عرصے میں شاید مشکل سے دس بارہ دفعہ ایسا ہوا ہوگا کہ میں کسی طویل سفر کی وجہ سے ہماری زبان کے پڑھنے والوں کے لئے کچھ نہ لکھ سکا ہوں۔ اس عرصے میں میں نے جو اداریے لکھے ہیں ان میں اردو زبان و ادب کے مسائل کے علاوہ تہذیب، تعلیم، قومی زندگی، علم و فن کے بہت سے پہلوؤں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اہم اشخاص یا واقعات پر بھی رائے زنی کی گئی ہے اور قابل قدر میلانات کی طرف بھی اشارے ہوئے ہیں۔ ان میں یادیں بھی ہیں، خواب بھی، احتساب بھی اور فکر و نظر بھی۔ یہ میرے پڑھنے والوں کا کام ہے کہ ان تحریروں کی خوبی یا خامی کا فیصلہ کریں، میرا کام تو انھیں، ان باتوں کی طرف توجہ دلانا ہے جنھیں میں کسی نہ کسی وجہ سے اہمیت دیتا ہوں۔

اس عرصے میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں لکھنے سے پہلے دیر تک یہ سوچتا رہا ہوں کہ اب کس موضوع پر اظہار خیال کروں۔ ایسے مواقع پر مجھے اکثر داستان کا خیال آیا ہے جنھیں ہر روز نواب سعادت علی خاں کو دو لطیفے سنانا پڑتے تھے۔ روایت یہ ہے کہ اسی قید نے انھیں دیوانہ بنا دیا۔ نہ جانے میرا کیا حشر ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آدمی فطرتاً تنوع پسند ہے، بنی اسرائیل من و سلویٰ سے اکتا گئے تھے اور کھیرے، ککڑی، لہسن اور پیاز اور مسور کی دال تک کی آرزو کرنے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ اداریے من و سلویٰ نہیں تھے اور ہوتے بھی تو ان سے بھی ایک عرصے کے بعد بور ہو جانا بالکل فطری بات ہوتی۔ اس لئے میں ہماری زبان کے پڑھنے والوں کو یہ خوش خبری سنانا چاہتا ہوں کہ اب ایک طویل مدت تک انھیں میرے اداریوں سے نجات رہے گی۔ مجھے شکاگو یونیورسٹی نے چھ مہینے کے لئے وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے کام کرنے کی دعوت دی ہے اور یکم اکتوبر ۱۹۶۹ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء تک میں وہاں اردو ادب، غالب اور اقبال پر لیکچر دوں گا اور سمینار لوں گا۔ اس کے علاوہ امریکہ کی کچھ دوسری یونیورسٹیوں میں بھی لیکچر دینے اور وہاں کے دانش وروں اور عالموں سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملے گا۔ میری درخواست پر میری عدم موجودگی میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر شعبۂ لسانیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انجمن کے جنرل سکریٹری اور ہماری زبان اور اردو ادب کے ایڈیٹر کے فرائض انجام دیں گے۔ مجھے اطمینان ہے کہ اس عرصے میں انجمن کے سارے کام ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں رہیں گے جس کی علمیت، ادبی ذوق، لسانیاتی معلومات، تعلیمی تجربے، متوازن شخصیت اور سنجیدہ مزاج کو خاص و عام بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں اس وقت بڑی بے چینی ہے، ایک بڑی تبدیلی کی خواہش مختلف صورتوں میں ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ ایک عالمی میلان ہے، مگر ہمارے ملک میں اس کی خاص شکلیں بھی ہیں۔ آئے دن کے یہ جھگڑے، طلبہ کے ہنگامے، قانون اور امن کی طرف سے بڑھتی ہوئی بے پروائی ہر طرح کی آئیڈیالوجی سے بیزاری، حقوق پر اصرار، بوڑھوں اور نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی خلیج، اخلاق کے اب تک کے نظریات میں شک، شب باشی زندگی کی طرف دوڑ اور ساتھ ساتھ صنعتی زندگی کے پیدا کردہ مسائل سے خوف، پرانے سہاروں کا ٹوٹنا اور نئے سہاروں کی طرف نظر، موجودہ سیاسی پارٹیوں کی ناعاقبت اندیشی اور اقتدار پرستی اور ارباب نظر کی حقیقی سیاست کی جستجو، بڑھتی ہوئی گرانی، بے روزگاری، آبادی کے مسائل، کچھ زبانوں کی ترقی اور کچھ زبانوں کی ترقی کے راستے میں رکاوٹیں، علاقائیت، لسانی عصبیت، فرقہ پرستی کی لہریں اور اس کے ساتھ کچھ حساس اور بیدار ذہنوں میں یہ امنگ کہ کس طرح ملک اس چکر سے نکلے اور جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم کے راستے پر مضبوطی سے گامزن ہو۔ ٹیگور نے کہا تھا کہ جب آپ اپنے قالین کو جھاڑیں گے تو پہلے گرد ضرور اڑے گی۔ کاش یہ گرد بھی اسی قسم کی ہو اور ہمارے قالین کے حقیقی نقش و نگار اجاگر ہو سکیں۔ اس وقت ہم سب کا فرض یہ ہے کہ ملک میں جو

پر جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم کو مضبوط بنانے کی جو ہے اس کا ساتھ دیں، اردو دوستوں کے لئے تو یہ اور بھی ضروری ہے کیونکہ جس رفتار سے ملک میں جمہوریت کی بنیادیں مضبوط ہوں گی، سیکولرزم کو فروغ ہوگا اور سوشلزم کی طرف قدم بڑھے گا، اسی رفتار سے تمام قومی زبانوں کے ساتھ انصاف کا جذبہ ترقی کرے گا۔ آج بھی اردو کے ساتھ بے انصافی عام ہے مگر اب حکومت اور اکثریت کو اس بے انصافی کا احساس ہوتا جا رہا ہے اور یہ امید بندھتی ہے کہ آگے چل کر اردو کے لئے فضا بہتر ہو جائے گی۔ اردو دوستوں کا اس منزل پر فرض یہ ہے کہ وہ تعمیری کاموں کی طرف توجہ کریں خود اردو کے لئے کچھ کرنے کی عادت ڈالیں اردو کے قومی رول اور قومی کردار کو واضح کرتے رہیں ملک و قوم کے دکھ سکھ میں شریک رہیں اور اپنے حقوق پر اصرار کے ساتھ اپنے فرائض بھی پورے کرتے رہیں۔ یہ وقت مایوسی اور بد دلی کا نہیں ہے۔ نہ حالات کا ماتم کرنے کا ہے۔ تبدیلی کی جو فضا پیدا ہوئی ہے اس کو نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ اپنے لئے سازگار بنانے کا ہے یہی ہے سہ

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی"

صرف ایک لفظ

برلن۔ "ہوک لائی شٹونگ شینیل بان اسٹوڈی این گزیل سافٹ" شاید جرمن زبان کا طویل ترین لفظ ہے پھر بھی اسے جرمن زبان کی لغات میں داخلہ نہیں ملا ہے۔ بہر حال دنیا کی کسی زبان کے طویل ترین لفظ کے بالمقابل اس لفظ کا ایک اعلیٰ مقام ہے اسے اگر انگریزی رسم خط میں لکھا جائے تو اس میں ۴۴ حروف آتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس لفظ کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے "اعلیٰ اور تیز رفتار ٹرانسپورٹ کے مطالعہ کی ایسوسی ایشن۔"

• قومی آواز

غالب اسٹڈیز کے چھ شمارے

رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز (۱۸۰۴، کلاں محل دہلی-۶) نے مندرجہ ذیل کو اس سیریز میں شائع کر دیا ہے:

۱۔ غالبیات نو
۲۔ غالب کی عظمت (علی گڑھ، دہلی سیمناروں کی مکمل روداد)
۳۔ انتخاب غالب اردو (جو غالب نے رامپور کو بھیجا تھا)
۴۔ غالب کے اہم معاصر تسکین کا دیوان
۵۔ غالبیات نو (۲۳)
۶۔ شریک غالب (نواب ناظم کے دیوان کا انتخاب) پورے سیٹ کی قیمت ۲۰/۱ (بیس) روپے ہے۔ ہر سال اس سیریز میں چھ شمارے شائع کئے جائیں گے اور کوشش کی جائے گی کہ غالب کے بارے میں ضروری اور اہم چیزیں سب کی سب آجائیں۔ • عابد رضا بیدار

بنگلہ اہل قلم کو اعزازی ڈگری

کلکتہ۔ رابندر بھارتی یونیورسٹی کی ایک خصوصی تقریب اسناد میں چار ممتاز اہل قلم امیو چکرورتی، تارا شنکر بنرجی، قاضی نذرالاسلام اور جسیم الدین کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی گئی۔ وزیر اعلیٰ شری اجے مکھرجی بطور مہمان خصوصی شریک تھے۔ وزیر اعلیٰ نے موجودہ تعلیمی مسائل کا جائزہ لیا۔ شری امیو چکرورتی نے ٹیگور کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ٹیگور گرچہ بنگالی تھے مگر انھوں نے ایک عالمی ذہن کی تعمیر کی۔ شری تارا شنکر نے اپنے ناولوں کے کرداروں پر روشنی ڈالی۔ قاضی نذرالاسلام کی طرف سے ان کے صاحبزادے شریک ہوئے۔

• شعبۂ خبر رسانی، انجمن توسیع اردو، کلکتہ

آزاد ہند اردو لائبریری چناری کے زیر اہتمام

دنیا کی تمام زبانوں کی نمائش کا پروگرام

چناری (شاہ آباد) آزاد ہند لائبریری کی مجلس عاملہ نے سنہ ۶۲ ہی میں یہ طے کیا تھا کہ دنیا کی تمام زبانوں کی نمائش کی جائے۔ اس وقت یہ بھی طے ہوا تھا کہ چین کے ادبی لٹریچر کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے گا۔ اس کا کوئی بھی لٹریچر نمائش میں نہیں رکھا جائے گا۔ حالات کی ناموافقت کی وجہ سے یہ نمائش نہیں ہو سکی۔ ایک ہنگامی میٹنگ میں یہ طے کیا گیا کہ دنیا کی سب بڑی زبانوں کی یہ نمائش ۱۹۷۰ء میں ہوگی جس میں ہر زبان کی کتابوں، رسالوں، اخباروں کے علاوہ ہر ملک کے الگ الگ نقشے بھی دکھائے جائیں گے۔

اراکین لائبریری اس مہم میں لگے ہوئے ہیں۔ ادب نواز دوستوں سے اور پبلشروں سے اپیل ہے کہ وہ ہیں آپ ہر ممکن مدد دیں تاکہ ہم کامیاب ہو سکیں تاریخ نمائش کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔ • الجمعیۃ

نہرو ادبی انعام

نئی دہلی۔ ہندوستان کی انجمن تعلیم بالغان کا ۱۹۶۹ء کا نہرو ادبی اعزاز بمبئی شہر کی سوشل تعلیمی کمیٹی کی نائب صدر مسز کلثوم سیانی کو دیا گیا۔

ہندوستان میں تعلیم بالغان کو ترقی دینے کے لئے اہم خدمت کے لئے یہ انعام دیا جاتا ہے۔ ۸ ستمبر کو بین الاقوامی ادبی دن کے موقع پر اس انعام کا اعلان کیا گیا ہے۔

• ہند

ڈاکٹر محمد اسحاق کا انتقال

کلکتہ ۱۲ دسمبر۔ یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ایران سوسائٹی کلکتہ کے بانی معتمد عمومی ڈاکٹر محمد اسحاق کا ۶۷ سال انتقال ہو گیا۔ انھیں ۱۳ دسمبر کی صبح کو سپرد خاک کیا گیا۔

• شعبۂ خبر رسانی، انجمن توسیع اردو، کلکتہ

عبداللطیف اعظمی

مخدوم محی الدین

اہم واقعات اور تاریخیں

"ہماری زبان" بابت یکم ستمبر ۱۹۶۹ء میں صفحہ ۳ پر مخدوم محی الدین کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ "بعمر ۶۳ سال مخدوم محی الدین کا انتقال ہوا" مخدوم کے سنہ پیدائش میں اختلاف ہے، مگر یہ اختلاف ۵۹ سال اور ۶۱ سال میں ہے ۶۳ سال کی عمر کا تو غالباً سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پروفیسر آل احمد سرور صاحب نے ہماری زبان کے اداریے میں لکھا ہے کہ دسمبر سنہ ۶۶۱۹ء میں حیدرآباد میں ان کا (یعنی مخدوم کا) ساٹھ سالہ جشن منایا گیا تھا۔ دسمبر سنہ ۶۶ء کے دوسرے ہفتے میں جشن مخدوم ضرور منایا گیا تھا، مگر معلوم نہیں کس بنیاد پر سرور صاحب نے اسے "ساٹھ سالہ" لکھا ہے۔ اس جشن کے بعد صبا کا مخدوم نمبر شائع ہوا تھا جس میں جشن کی روداد اور اس موقع پر موصول ہونے والے پیغامات اور جلسوں میں پڑھے جانے والے مضامین شامل ہیں۔ پیغامات اور رودادوں میں جہاں بھی جشن کا ذکر آیا ہے، اس کے ساتھ ساٹھ سال کا ذکر نہیں ہے۔ میں نے اسے غور سے دیکھا ہے مگر مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس میں کہیں اس جشن کے ساتھ "ساٹھ سالہ" بھی لکھا ہو۔ مخدوم کا تیسرا اور فی الحال آخری مجموعۂ کلام "بساطِ رقص" اسی جشن کے موقع پر شائع ہوا ہے۔ اس میں اس جشن کے صدر استقبالیہ عابد علی خاں صاحب (مدیر روزنامہ سیاست) اور معتمد استقبالیہ میر حسن صاحب کا "عرض حال" کے عنوان سے ایک مختصر دیباچہ شامل ہے۔ اس میں جشن مخدوم کا بار بار ذکر آیا ہے، مگر کسی جگہ بھی "ساٹھ سالہ" کا ذکر نہیں ہے۔ سرور صاحب کو شاید اس سے غلط فہمی ہوئی کہ عام طور پر ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے پر یا اس سے زیادہ عمر پانے پر کسی شخص کا جشن منایا جاتا ہے۔

مخدوم کی زندگی کے اہم واقعات کی تاریخیں میں نے مرتب کی ہیں۔ اس میں تاریخ پیدائش کے اختلاف کا بھی ذکر آگیا ہے۔ یہ تاریخیں یقیناً ناکافی اور نامکمل ہوں گی، مگر فی الحال مرحوم پر جو کچھ مطبوعہ شکل میں مل سکا، اس کی مدد سے انھیں مرتب کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اب مکمل حالات اور واقعات منظر عام پر آئیں گے، اس وقت ان میں مزید اضافہ کرنا ممکن ہوگا۔

مخدوم کا پورا نام ابو سعید محمد مخدوم محی الدین خدری ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کا شجرۂ نسب آنحضرت صلعم کے مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ سے ملتا ہے۔ مخدوم کے دادا رشید الدین، اورنگ زیب کی فوج کے ساتھ اعظم گڈھ سے حیدرآباد آگئے تھے۔ ان کے والد غوث محی الدین تعلقہ اندول میں تحصیل کے سیاہ دار ولارک رہے۔ ان کا انتقال عین جوانی میں کوئی ۲۹، ۳۰ سال کی عمر میں ہوا۔ اس وقت مخدوم کی عمر تقریباً ۴ سال تھی۔ والد کے انتقال کے بعد ان کے چچا بشیر الدین کی سرپرستی اور کفالت میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ گھر کا ماحول سخت مذہبی تھا، پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرنی پڑتی اور عصر اور مغرب کے درمیان روزانہ "ختم خواجگان" پڑھنا ضروری تھا، علاوہ ازیں مسجد کی جاروب کشی اور نمازیوں کے وضو کے لئے پانی بھرنا پڑتا تھا۔ انھوں نے شروع میں قرآن شریف اور عربی کی تعلیم بھی گھر پر حاصل کی تھی۔ گھر کے اس ماحول اور تعلیم و تربیت کا ان کی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ غالباً اشتراکی اور مارکسی نظریوں کی وجہ سے ایک زمانے میں وہ مذہب کے سخت خلاف تھے، مگر شاید گھر کے مذہبی ماحول اور ابتدائی تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی یہ انتہا پسندی زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہی اور مذہب اور مذہبی اشخاص کے بارے میں ان کا رویہ بالکل بدل گیا۔

مخدوم کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، والدہ کے بیان کے مطابق اور مخدوم کے پھوپھی زاد بھائی نظام الدین کے ایک رجسٹر کے اندراج کے لحاظ سے ۴ر فروری ۱۹۰۸ء (یکم محرم الحرام سنہ ۱۳۲۶ھ) اور ہائی اسکول کے سرٹیفکیٹ کے بموجب ان کا سنہ پیدائش سنہ ۱۹۱۰ء ہے۔[1]

تفصیل کے ساتھ حالات زندگی لکھنے میں یہ مضمون بہت طویل ہو جائے گا، اس لئے بقیہ حالات و واقعات اختصار کے ساتھ ذیل میں تاریخ وار درج کئے جاتے ہیں:

۱۹۲۹ء میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسی سال جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔

۱۹۳۲ء مخدوم نے شعر کہنا شروع کیا، پہلی نظم کا عنوان تھا

[1] یہ حالات صبا کے مخدوم نمبر اور "مخدوم۔ ایک مطالعہ" سے لئے گئے ہیں۔

شہاب عاقل

غزل

پتھروں کی مورتی میں آنکھ شیشے کی لگاؤ
جس طرح بھی ہو زمانے کو تماشا بناؤ

آنسوؤں کی جھیل ہی کیوں اس طرح ساکن ہے
دائرہ بننے لگے ایسا کوئی پتھر گراؤ

شیش محلوں سے پرے اب ایک بھی شیشہ نہیں
قمقموں کی روشنی گر مل سکے تو چاٹ جاؤ

رات کی تاریکیوں میں کیوں جدا ہو کر رہیں؟
دھوپ کی شدت سے ان پرچھائیوں کو بچاؤ

خواب ہی کی شکل میں رہنے دو خوابوں کو شہاب
دھند بڑھ جائے گی یوں تعبیر کے پیچھے نہ جاؤ

"پیلا دوشالہ" جو اس زمانے میں شائع نہیں ہوئی۔ اسی سال ان کی شادی ہوئی۔

۱۹۳۳ء پہلی نظم "طور" مجنوں گورکھپوری کے رسالہ "ایوان" میں شائع ہوئی۔

۱۹۳۶ء کمیونسٹ پارٹی کے عملی کارکن بنے۔ اسی زمانے میں اپنی پہلی سیاسی نظم "جنگ" لکھی۔

۱۹۳۷ء ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۳۹ء سٹی کالج (حیدرآباد) میں اردو کے لکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔

۱۹۴۰ء کمیونسٹ پارٹی کے باقاعدہ ممبر بنے۔

۱۹۴۱ء سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے کالج سے استعفیٰ دینا پڑا۔

۱۹۴۲ء ریلوے ورکرز یونین کے وائس پریسیڈنٹ منتخب ہوئے۔

۱۹۴۳ء جولائی میں مخدوم کی رہنمائی میں حیدرآباد میں انجمن ترقی پسند مصنفین قائم ہوئی۔

۱۹۴۴ء اسی سال مخدوم کا پہلا شعری مجموعہ "سرخ سویرا" شائع ہوا۔

۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۲ء گرفتاری سے بچنے کے لئے "انڈر گراؤنڈ" رہ کر کام کرتے رہے۔

۱۹۵۲ء عام انتخابات میں کانگریس کے خلاف متحدہ محاذ کی طرف سے اسمبلی اور پارلیمنٹ کے لئے امیدوار تھے، مگر دونوں جگہ ہار گئے۔ بعد میں اسمبلی کے ضمنی انتخاب میں جیت گئے۔

۱۹۵۳ء ۹ر مارچ۔ ۱۱ر مارچ کو بوڈاپسٹ میں عالمی امن کونسل کے ہونے والے جلسے میں شرکت کے لئے بمبئی سے روانہ ہوئے۔

۱۹۵۳ء ۲۳ر جون۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں مزدوروں کی عالمی انجمن (W.F.T.U) کی ہونے والی تیسری کانفرنس میں شرکت کے لئے ویانا پہنچے اور اس سلسلے میں تقریباً ایک سال وہاں قیام کیا۔

۱۹۵۶ء کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے اسمبلی کے الکشن میں کھڑے ہوئے اور کامیاب ہوئے اور آخر عمر تک اس کے ممبر رہے۔

۱۹۶۶ء ۹ر دسمبر کی شب میں حیدرآباد میں "محفلِ پیلا دوشالہ" منعقد ہوئی جس میں مخدوم کی پہلی مزاحیہ نظم "پیلا دوشالہ" قوال کے طرز پر گائی گئی اور مخدوم کے دوستوں اور عقیدت مندوں نے مخدوم کو ایک پیلا دوشالہ پیش کیا۔

۱۹۶۶ء ۱۰ر دسمبر کو ۶ بجے شام میر دجبی دیوی ہال رام کوٹ میں جشن مخدوم کا افتتاح ہوا۔ جلسے کی صدارت سجاد ظہیر صاحب نے کی۔ جشن مخدوم کی یہ تقریب ۱۱ر دسمبر کو بھی منائی گئی جس میں حیدرآباد اور بیرونِ حیدرآباد کے مشہور ادیبوں اور شاعروں نے شرکت کی۔

اسی جشن کے موقع پر مخدوم کے تیسرے مجموعۂ کلام "بساطِ رقص" کی رسم اجرا بھی عمل میں آئی۔ اس مجموعے میں مخدوم کا مکمل کلام شامل ہے۔

۱۹۶۹ء ۱۹ر اگست کو مودی نگر کے مشاعرے میں شرکت کے لئے ہوائی جہاز کے ذریعے حیدرآباد سے دہلی آئے اور اسی روز مودی نگر چلے گئے۔ مشاعرے سے فارغ ہو کر دہلی واپس آئے۔ ۲۳ سے آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس کی ورکنگ کمیٹی اور اس کے بعد ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی نیشنل کونسل کے اجلاس ہونے والے تھے، اس لئے دہلی میں رک گئے۔

۱۹۶۹ء ۲۴ر کی صبح کو انھیں دل کا دورہ پڑا اور فوراً ہی ارون ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔

۲۵ر کو ان کی حالت کچھ بہتر تھی، مگر خطرے سے باہر نہیں تھے کہ ایک بجے دن کو دوبارہ حملہ ہوا، یہ حملہ جان لیوا ثابت ہوا اور رات کو ۸ بجکر ۲۰ منٹ پر وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

ان کی آخری نظم کا، جو اسی سال ۱۳ر جولائی کو شائع ہوئی تھی، آخری شعر ہے:

اس گلِ اندام کی چاہت میں بھی کیا کیا نہ ہوا
درد پیدا ہوا، درماں کوئی پیدا نہ ہوا

۲۵ر اگست کو مخدوم کی یہ بات سچ ہو کے رہی کہ

درد پیدا ہوا، درماں کوئی پیدا نہ ہوا
اس گلِ اندام کی چاہت میں بھی کیا کیا نہ ہوا

۱۹۶۹ء ۲۶ر اگست۔ دوپہر کے وقت ہوائی جہاز کے ذریعہ میت حیدرآباد لے جائی گئی۔ سہ پہر میں جب وہاں میت پہنچی تو ہزاروں عقیدت مند موجود تھے، جن میں ادیب و شاعر بھی تھے، سیاست داں، مزدور، طالب علم، غرض ہر طبقے کے لوگ موجود تھے۔ رات کو نامپلی کے نزدیک حیدرآباد کے ایک بہت ہی قدیم قبرستان، شاہ خاموش کی درگاہ میں مخدوم کا جسد خاکی سپرد خاک کیا گیا۔

باقی صفحہ سے آگے

یار بزم آرائے دشمن ہو تو کس کا یار ہے
لکھ گیا غالب مگر ناطق کو اس سے عار ہے
بسکہ وہ چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے
چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمع ماتم خانہ ہم
المدد اے تیغِ غم سنگِ شکستن المدد
کچھ گرفتاروں کی حد ہے، کچھ گرفتاری کی حد
داغِ مایوسی ہزار و دل خارِ حسرت بے عدد
دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

محمد عبد الحلیم

خمسہ بر غزل مرزا غالب

پیر سخان خمخانہ سخن حضرت مولانا ناطق گلاؤٹھوی مدظلہ مرحوم چونکہ فوراً دہلی کے باشندے تھے اور فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھے اس لیے اساتذہ دہلی کا عموماً اور مرزا غالب، استاد ذوق اور مومن خاں مومن کا خصوصاً بے حد احترام کرتے تھے۔ مرزا غالب کے تو وہ بڑے مداح تھے۔ مولوی عبد الباری آسی الدنی مرحوم کی درخواست پر مولانا ناطق مرحوم نے غالب کی مشکل ترین زمین میں غالب ہی کے رنگ میں نیز خود اپنے الگ رنگ میں جس میں آپ کو انفرادیت حاصل تھی بہت لکھا ہے۔ مولانا کے غیر مطبوعہ دیوان میں اس قسم کی تقریباً پچاس غزلیں موجود ہیں۔ محترمی ماسٹر حمید جمالی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جو جریدہ "آجکل" کی اشاعت ماہ اکتوبر ۱۹۰۰ء میں شامل ہے اس کے متعلق مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلے میں میں ایک مفصل مضمون بعنوان مرزا غالب اور مولانا ناطق لکھ رہا ہوں جو انشاء اللہ بہت جلد ہی منظر عام پر آجائے گا۔ اس وقت میں مولانا مرحوم کا ایک خمسہ جو انھوں نے غالب کی مشہور غزل پر لکھا ہے قارئین "ہماری زبان" کی دلچسپی کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ مولانا مرحوم کا یہ خمسہ اور غالب کی اس غزل کی زمین میں ان کی دو غزلیں مجھے ان کی شرح دیوانِ غالب[1] کے اصل مسودے سے دستیاب ہوئی ہیں مولانا نے یہ خمسہ اور دونوں غزلیں ۱۹۲۷ء میں اس وقت لکھی تھیں جب وہ غالب کی اس غزل پر شرح لکھ رہے تھے۔

خمسہ

بیٹھے ہیں سنگِ حوادث صورتِ دیوانہ ہم
رہتے ہیں کیفِ خمارِ زیست سے مستانہ ہم
رکھتے ہیں دلبستگی رو کر شکستِ افسانہ ہم
بسکہ ہیں بدستِ بتانِ بُت شکن میخانہ ہم
موئے شیشہ کو سمجھتے ہیں خطِ پیمانہ ہم

گو بہ فیضِ بیخودی ہے کس مپرسی کا یہ حال
یاد سے اپنی ہمیں احباب دیتے ہیں نکال
ہم ہیں اس پر بھی خیال آمادہ بے فکرِ مآل
ذوق[2] از خود رفتگی سے ہیں بہ گلزارِ خیال
آشنا تعبیرِ خوابِ سبزۂ بیگانہ ہم

رفعتِ بامِ خیال و نکبتِ پستی نہ پوچھ
سرگرانی دیکھ، دعوائے بلند دستی نہ پوچھ
یہ پریشانی، یہ حیرانی، یہ بدمستی نہ پوچھ
وحشتِ بے ربطیِ پیچ و خمِ ہستی نہ پوچھ
ننگِ بالیدن ہیں جوں موئے سرِ دیوانہ ہم

نقشِ ناصح بہ عنوانِ تغافل دے کہیں
توسنِ ہمت بہ جولانِ تغافل دے کہیں
ہستیِ اشیاء بہ دامانِ تغافل دے کہیں
کشتیِ عالم بہ طوفانِ تغافل دے کہیں
عالمِ آب گدازِ جوہرِ افسانہ ہم

جی سا گھبرایا ہوا ہے کچھ دلِ بیمار سے
زار ہیں اس حال سے بیزار ہیں آزار سے
مضطرب ہیں حسرتِ شمعِ رخِ دلدار سے
شامِ غم میں سوزِ عشقِ آتشِ رخسار سے
پرفشانِ سوختن ہیں صورتِ دیوانہ ہم

ذوقِ رسوائی ہے لیکن بزمِ رسوائی نہیں
رونمائی ہے مگر شکلِ شناسائی نہیں
شورِ ہستی ہے مگر تا حدِ بینائی نہیں
باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

عالمِ اسباب کی قیمت ہے یک پائے مگس
دل میں آ کر ہوتی ہے شرمندہ دنیا کی ہوس
پھونک دیتے ہیں خیالِ عیش کو جوں خار و خس
غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

نغمِ سوز و نغمہ انگیز آہنگ ہے سازِ خیال
رقصِ بسمل عالمِ کن ہے بہ آوازِ خیال
صورتیں بنتا بگڑتا صورتِ نازِ خیال
محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بتخانہ ہم

دم رہا جب تک رہے ہیں وارفتہ سو بسو
جادۂ دنیا کی طلب لے کر پھری ہے کو بکو
جیب رہ جائے رہ گئی یوں بے بسی کی آبرو
منعمت سے ہے نہ قناعت سے یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

دل[3] جلوں کی شاعری کا دھرم اعیار ہے

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

---

[1] مولانا ناطق مرحوم کی شرح دیوان غالب موسومہ "نکتۂ المطالب" پچھلے سال مکتبہ دین و ادب، کچا احاطہ لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔

[2] مسودہ میں لفظ "ذوق" ہی لکھا ہوا ہے جب کہ غزل میں یہ لفظ "شوق" ہے۔

[3] مولانا مرحوم کی شاعری میں رقیب کا وجود صرف ذلت و رسوائی کے لیے تھا۔ معشوق کو اس کی بزم خلوت میں پہنچانا یا کسی طرح بھی اسے قابل رشک ٹھہرانا انھیں پسند نہ تھا۔

مراسلات

بدلتا رہتا ہے کیا رنگ آسماں دیکھو

—— ۱ ——

۸ اگست کے ہماری زبان میں خلیل الرحمٰن اعظمی کی غزل پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے اکثر اشعار میں محاورے اور بیان کی غلطیاں ہیں۔ ان کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں۔

مطلع: بدلتا رہتا ہے کیا رنگ آسماں دیکھو
فصیل شہر سے باہر کا بھی سماں دیکھو

دوسرے مصرع میں "کا بھی" تقطیع کرنے پر "کبھی" ہو جاتا ہے۔

اسی کی ضد پہ بیاز سر خود شناسی کا
یہ زندگی ہمیں لے جائے گی کہاں دیکھو

دوسرے مصرع میں "لے جائے گی" کی جگہ "لے جائے اب" زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دکھیں گے جا کے مگر کون اسے جزیرے پر
کھلا ہے اب تو خیالوں کا بادباں دیکھو

پہلے مصرع میں "کون سے" "کس" کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

یہ لا کے چھوڑ دیا کون سے دوراہے پر
کہاں گئے مرے خوابوں کے کارواں دیکھو

اس شعر کو پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش اس سے پہلے والے شعر کی پیدائش سے وابستہ ہے۔ اس کے پہلے مصرع میں بھی "کون سے" "کس" کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

الٰہ آباد ● حامد حسین حامد

—— ۲ ——

میں مراسلہ نگار حامد حسین حامد بلگرامی صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے میری غزل اتنی توجہ کے ساتھ پڑھی۔ میری بعض کوتاہیوں کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے۔ اس کے لئے وہ مزید شکریے کے مستحق ہیں۔ معلوم ہوتا ہے موصوف نے کسی کہنہ مشق استاد کے سامنے عرصے تک زانوئے تلمذ تہ کرنے کے بعد زبان دانی کے نکات پر عبور حاصل کیا ہے۔ بد قسمتی سے میں اس سعادت سے محروم رہا ہوں۔ تھوڑا بہت مطالعہ اردو شعرا کے دواوین کا کرتا رہا ہوں اور انھیں کے کلام سے رہنمائی حاصل کی ہے۔

مطلعے پر اعتراض دیکھ کر بے اختیار یہ دو شعر یاد آئے:

ناتوانی کا بھی احساں ہے مری گردن پر — کہ ترے پاؤں سے سر مجھ کو اٹھانے نہ دیا
(مصحفی)

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں — کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
(سودا)

"کس" کے محل پر "کون سے" یا "کونسی" کے استعمال کے سلسلے میں یہ دو شعر ذہن میں گونج گئے:

کون سے زخم کا کھلا ٹانکا — آج پھر دل میں درد ہوتا ہے
(میر ضیا دہلوی)

کونسی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے؟ — عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں
(اقبال)

ممکن ہے ان شعرا کے زمانے تک یہ طریقۂ اظہار صحیح رہا ہو اور اب متروکات کے دائرے میں آگیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو موصوف یا کوئی اور واقف کار مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ احتیاط برتوں۔

میرے مصرع "یہ زندگی ہمیں لے جائے گی کہاں دیکھو" کو مراسلہ نگار غلط تو نہیں کہتے مگر ان کا خیال ہے کہ "یہ زندگی ہمیں لے جائے اب کہاں دیکھو" زیادہ بہتر تھا۔ ممکن ہے موصوف خود لکھتے تو اسی انداز میں لکھتے مگر میں جس کیفیت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں وہ تبدیل شدہ مصرعے میں ختم ہو جائے گی۔ موصوف کے مشورے پر عمل کرنے سے نہ صرف یہ کہ شعر کا مفہوم متاثر ہوگا بلکہ اس کا آہنگ بھی مجروح ہو جائے گا۔ "لے جائے گی" کے آنے سے مصرعے میں جو اندرونی ترنم پیدا ہوتا ہے وہ ضائع ہو جائے گا اور "اب" کے استعمال سے ایک طرح کا سپاٹ پن پیدا ہو جائے گا۔

علی گڑھ ● خلیل الرحمٰن اعظمی

ایک مراسلے کے جواب میں

جناب ظہور الاسلام صاحب کے مراسلے کے جواب میں عرض ہے کہ میں نے اس معاملے میں جناب عبد القوی دسنوی صاحب پر کوئی الزام نہیں دھرا۔ میں نے تو صرف ان تفصیلات کی جو کرزن کے حوالے سے شائع کی گئی ہیں، تردید کی تھی اور صحیح واقعات پیش کئے تھے۔ "بود" اور "است" کا ذکر بھی اسی ضمن میں تھا۔

جناب ظہور الاسلام صاحب بجا فرماتے ہیں کہ اپنی تحریر کے ثبوت میں مجھے ماخذ کی نشاندہی کرنا چاہیے تھی۔ اس سہو کے لئے میں ان سے معذرت کرتا ہوں۔ امید ہے وہ معاف فرمائیں گے۔

میرا ماخذ A LITERARY HISTORY OF PERSIA
BY
EDWARD. G. BROWN

کی تیسری جلد کے صفحات [illegible] — [illegible] ہیں۔

ویسے بھی جناب ظہور الاسلام اگر ان دونوں تفصیلات کو بغور ملاحظہ فرمائیں گے تو شاید انھیں بھی ڈاکٹر براؤن کی تحریر زیادہ قابل یقین معلوم ہوگی۔

امرتسر ● برہم ناتھ دت

اسم مونث مجرور کے پہلے حرف اضافت کی حالتیں

ہمارے یہاں صحت زبان کا تصور نہایت غیر علمی اور ارتقا کش ہے۔ ہم زبان کو ایک الہامی صحیفہ مانتے آئے ہیں جس کا ایک نقطہ ادھر ادھر ہونے نہیں دیتے۔ بیشک زبان میں غلطیاں ہوتی ہیں لیکن ان کا تعلق قواعد سے نہیں منطق

سے بڑھتا ہے۔ کسی زبان کی قواعد آسمان سے نہیں ٹپکتی ہے۔ قواعد انسانی مشاہدات کے تجربے کہتے ہیں جب زبان کے قواعدی ڈھانچے میں تبدیلیاں ہوتی ہیں تو قواعد میں ترمیم کرنا پڑتا ہے۔ زبان قواعد کی نہیں، قواعد زبان کی تابع ہوتی ہے۔ دنیا میں جتنے انسان ہیں اتنی ہی تفریری بولیاں (IDIOLECTS) ہیں۔ قواعد کی رو سے کسی کی زبان کو غلط قرار دینا خود ایک غلطی ہے۔ زبان کی غلطیاں منطق کی رو سے پکڑی جاتی ہیں۔

ان سطور میں میں اسم مونث مجرد کے پہلے حرف اضافت کی دو مختلف حالتوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔ عام حالت میں اسم مونث (واحد اور جمع دونوں) کے پہلے حرف اضافت "کی" استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن جب اسم مونث مجرد ہوتا ہے یعنی اس کے بعد حرف جر کو، تک، سے، پر، میں یا کا، کی، کے وغیرہ استعمال ہوتے ہیں تو ایسے اسم مونث کے ماقبل حرف اضافت کے استعمال میں دو رجحانات پائے جاتے ہیں۔

ایک تو یہی عام دستور کہ اسم مونث کے ماقبل حرف اضافت "کی" استعمال ہوتا ہے خواہ اسم مونث واحد ہو، جمع ہو، یا مجرد ہو۔

دوسرا رجحان یہ ہے کہ "کی" کے بجائے "کے" استعمال کیا جاتا ہے یہ رجحان عوام کا ہے۔ اور عوام سے ہی خواص میں آیا ہے۔ مرزا محمد عسکری نے اپنے ترجمہ تاریخ ادب اردو میں اسی رجحان کو اپنایا ہے کہیں کہیں "سوانح العاشقین" میں یہ رجحان پایا جاتا ہے۔ لیکن قدیم کتابت میں یائے معروف اور یائے مجہول میں امتیاز نہ ہونے کے باعث اس سے مستند مثالیں نہیں دی جا سکتیں۔

بہرحال معیاری بولی میں "کی" ہی مستعمل ہے۔ "کے" کا استعمال غیر محتاط تحریروں اور تقریروں میں ملتا ہے۔

کلکتہ • اقبال کرشن

آل انڈیا ریڈیو کلکتہ سے اردو پروگرام

ادارہ فروغ اردو شیب پور ہوڑہ نے آل انڈیا ریڈیو کلکتہ سے اردو زبان میں خبریں اور دیگر پروگرام نشر کرنے کی ایک تحریک شروع کی ہے۔ اس سلسلے میں ایک دستخطی مہم شروع کی گئی تھی اور تقریباً ۲ ہزار لوگوں کے دستخط پر مشتمل پانچ عرضداشتیں مرکزی اور صوبائی حکومت کے ذی اختیار افراد کو دی گئیں ہیں۔ ذیل میں ہم ان افراد کے نام اور عرضداشت کا اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

بخدمت ....

جناب عالی!

مغربی بنگال کے اردو داں دستخط کنندگان مؤدبانہ التماس کرتے ہیں کہ ہماری مندرجہ ذیل اپیل کو متعلقہ افراد کے پاس پہنچا دیں تاکہ حق و انصاف کی روشنی میں اس پر عمل ہو سکے۔

۱۔ بنگال میں اردو داں طبقہ کی تعداد تقریباً ۰ لاکھ ہے لیکن کلکتہ ریڈیو اسٹیشن نے آج تک اردو پروگرام اور نشریے کے ذریعہ ان کی ہمت افزائی نہیں کی۔

۲۔ گرچہ ہمارے آئین میں اردو زبان چودہ دیگر قومی زبانوں کی فہرست میں شامل ہے۔ پھر بھی کلکتہ ریڈیو اسٹیشن سے اس زبان میں کوئی بھی پروگرام نشر نہیں کیا جاتا۔

۳۔ آج جبکہ غالب صدی، عالمگیر پیمانے پر منائی جارہی ہے لیکن کلکتہ ریڈیو اسٹیشن نے غالب صدی پر اردو پروگرام کو قطعی نظر انداز کر دیا ہے۔

لہٰذا مغربی بنگال کی ایک کثیر اقلیت آپ کی غیر جانبدارانہ اور جمہوری پالیسی کی تائید کرتے ہوئے گذارش کرتی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی ابتدائی کاروائی بلا تاخیر کریں تاکہ اس کی حق تلفی کا تدارک ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ حکومت کے ذی اختیار افراد کو کلکتہ ریڈیو اسٹیشن سے اردو زبان میں ہر ممکن پروگرام کو شامل کرنے کا مشورہ دیں۔

ہم توی امید کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں آپ ہماری ضرور مدد فرمائیں گے ہم قوم کی بے غرض خدمت کے لئے آپ کی درازی عمر کی دعا کرتے ہیں۔

جن کو عرضداشتیں دی گئیں۔

(۱) چیف منسٹر مغربی بنگال

(۲) ڈپٹی چیف منسٹر مغربی بنگال

(۳) وزیر برائے شعبہ نشرو اطلاعات حکومت ہند دہلی

(۴) ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو کلکتہ

(۵) اسپیکر قانون ساز اسمبلی مغربی بنگال

ہم نے جو تحریک شروع کی ہے اس میں اس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمام اردو داں حضرات کا تعاون نہیں حاصل نہ ہو لہٰذا ہم تمام اداروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنے طور پر دستخطی مہم شروع کریں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے دستخط حاصل کر کے مندرجہ بالا حضرات کے پاس اردو پروگرام کے ساتھ کلکتہ ریڈیو اسٹیشن کی چشم پوشی کی شکایت کریں۔ اس سلسلے میں ہم انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کو بھی اس تحریک میں سرگرم حصہ لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہم اردو داں ایم۔ ایل۔ اے، کونسلرس اور اخباروں کے ایڈیٹروں سے بھی پرزور گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے اردو کے ساتھ اس سلسلے میں کی گئی ناانصافیوں کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کرائیں۔

ادارہ فروغ اردو ہوڑہ • ایم۔ اے۔ نسیم دھلیگ انگریزی

اردو زبان کے مسائل

لسانی اقلیتوں کے تحفظات

روزنامہ سیاست جدید نے ۱۱ ستمبر کے شمارے میں لسانی اقلیتوں کے مسائل پر ایک اداریہ شائع کیا ہے جس میں بعض اہم پہلوؤں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ ہماری زبان کے قارئین کے لئے بھی اس اداریے کے چند اقتباسات کا مطالعہ دلچسپ ہوگا۔

• لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے اپنی تازہ ترین رپورٹ میں اس بات پر اظہار اطمینان کیا ہے کہ لسانی اقلیتوں کے تحفظات کے نفاذ میں بیشتر ملکی ریاستوں نے آگے قدم بڑھایا ہے۔

کمشنر کی سابقہ رپورٹ میں متعدد ریاستوں کو اس جانب متوجہ کیا گیا تھا کہ وہ پرائمری منزل پر اقلیتی طبقوں کے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیمی سہولتیں مہیا کرنے سے قاصر رہی ہیں۔ لیکن کمشنر نے کہا کہ اب ہریانہ اور کشمیر کے سوا یہ سہولتیں تقریباً تمام ریاستوں میں فراہم کردی گئی ہیں۔

یہ کہنا صحیح ہے کہ مادری زبان میں اقلیتی طلبہ کو تعلیم کی سہولتیں نہ صرف ابتدائی اور پرائمری درجات میں بلکہ بعض ریاستوں میں ثانوی تعلیم کی حد تک فراہم کی گئیں ہیں اور ان میں ہماری ریاست اترپردیش کا نام امتیازی حیثیت سے آتا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ یوپی میں ان تمام سہولتوں کی فراہمی کا اعلان محض زبانی اور کاغذ تک محدود ہے۔ عمل کے لحاظ سے ان اعلانات کا کوئی فائدہ اب تک کم از کم اردو کے اقلیتی طبقے کو نہیں پہنچا ہے۔ اور اس کی متعدد وجوہات ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ ان سہولیات کی فراہمی کا اعلان سہواً یا قصداً اتنی تاخیر سے کیا گیا کہ موجودہ تعلیمی سال میں انتہائی کوشش کے باوجود اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔

دوسرا سبب یہ کہ ریاستی محکمۂ تعلیم نے صوبائی حکومت کے احکامات کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور آخر وقت تک ان کو چھپائے اور دبائے رکھا۔

ایک اور تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ نئی سہولتوں کے اعلان کے ساتھ بھی حکومت نے بعض ویسی ہی سابقہ شرطیں برقرار رکھیں، جن کی آڑ میں ہمیشہ درسگاہوں کے بعض منتظمین طرح طرح کی اصولی اور انتظامی دقتیں کھڑی کرکے روڑے اٹکایا کرتے تھے۔

یہ شرطیں دشوار نہ ہوں تاہم یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ ان کی تکمیل کارروائی اور ان کا پیچیدہ طریق کار، مخالف ذہن رکھنے والے منتظمین درسگاہ کے لئے آسانی سے یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ قانون قاعدے کی حکمت عملی کی آڑ لے کر اسے دشوار تر بنادیں۔

ان سب باتوں پر مستزاد اساتذہ کی کمی کا مسئلہ اور نصابی کتابوں کی عدم موجودگی کی دقت ہے جس کو نہ حل کیا گیا ہے اور نہ حکومت کی طرف سے اس کے حل کا کوئی طریقہ بتایا گیا ہے۔

اس لئے لسانی اقلیتوں کے کمشنر کا اس بات پر اظہار اطمینان، کہ ریاستی حکومتوں کی جانب سے لسانی اقلیتوں کو مادری زبان میں تعلیم کی سہولتیں فراہم کردی گئی ہیں خود ان کے لئے کافی ہو تو ہو، لیکن اقلیتوں خصوصاً اترپردیش کی اردو اقلیت کے نزدیک قابل طمانیت وتسکین ہرگز نہیں ہے۔

آگے چل کر کیا ہوتا ہے؟ اس کا مشاہدہ مستقبل کے عملی تجربات سے ہوگا۔ فی الحال اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔

بعض لوگ اقلیتوں کو مادری زبان میں تعلیم کی سہولتیں فراہم کرنے میں درسگاہوں کے منتظمین اور محکمۂ تعلیم کے ذمہ داروں کی کوتاہیوں اور تاخیری حکمت عملیوں کو اس عذر کے پردہ میں چھپانا چاہتے ہیں، کہ طالب علموں کی تعداد میں بے انتہا اضافہ ہوجانے کے باعث تعلیمی اداروں کی مشکلات بڑھ گئی ہیں، نیز یہ کہ مادری زبان کی تعلیم کا نصاب اور اس کے لئے تربیت یافتہ تدریسی اسٹاف مہیا کرنے میں ابھی حکومت کو وقت لگے گا۔

ہم اس عذر کو کسی حد تک صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ یہ دقتیں اپنے حل کے لئے کافی تاخیر طلب ہیں۔ تدریسی اسٹاف کی ضرورت کو ہر درسگاہ میں دو ایک اچھے اردو ٹیچر باہر سے فراہم کرکے جن کی ایک خاصی تعداد بیکار وبے روزگار ہے، باآسانی اور بغیر کوئی زبردست مالی بار پڑے ہوئے پورا کیا جاسکتا ہے اسی طرح جب تک اردو کی سرکاری نصابی کتابیں تیار نہیں ہوجاتیں، موجودہ ممکن الحصول مطبوعہ کتابوں میں سے بعض کو نصابی طور پر منتخب اور رائج کیا جاسکتا ہے۔

کچھ اور معترضین ایسے ہیں جنھوں نے یہ بے محل سوال بھی اٹھایا ہے کہ اقلیتی بچوں کو علیحدہ مادری زبان میں تعلیم دینے سے ان میں علیحدگی کا احساس پیدا ہوتا ہے جو قومی یکجہتی کے مقصد کے منافی ہے۔ اسی ضمن میں وہ اس خطرہ کا اظہار کرتے ہیں کہ اقلیتی طلبہ قومی زبان ہندی سے بے اعتنائی برتیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ حصول معاش کے میدانوں میں ان کے لئے دقتیں پیدا ہوں گی اور اکثریت وحکومت سے ان کی شکایات میں اضافہ ہوجائے گا۔

ہم ایسے معترضین کو یقین دلاتے ہیں کہ اقلیتوں خصوصاً یوپی کی اردو اقلیت کی جانب سے ایسا کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے۔ اقلیتوں نے تسلیم کرلیا ہے کہ ہندی اب اس ملک کی قومی زبان ہے اور اس کا حصول اور اس میں مہارت بھی ان کی آئندہ نسلوں کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی ان کے لئے اپنی مادری زبان کی تحصیل؛

پس اگر قومی اتحاد کے مقصد کے حصول اور آئندہ علیحدگی پسندی کے خطرات کے سدباب کے لئے لسانی اقلیتی کمشنر اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں کہ مادری زبان کی منزل ہی سے ہندی زبان کی تعلیم کو بھی لازمی قرار دیدیا جائے تو لسانی اقلیتوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا بشرطیکہ ان کے طلبہ کو اپنی مادری زبان میں حصول تعلیم کی ممکنہ سہولتیں دیانتداری اور سچائی کے ساتھ حاصل رہیں۔"

• سیاست

اردو زبان بولنے والوں کی تعداد

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی

اردو دستور میں تسلیم کی گئی ہندوستانی زبانوں میں سے ایک ہے اور اسے دو کروڑ تین لاکھ عوام بولتے ہیں۔ یہ تعداد افغانستان، الجیریا، ارجنٹائنا اور براعظم آسٹریلیا میں سے ہر خطہ کی آبادی سے زیادہ ہے۔ لیکن یہ دلیل کافی نہیں سمجھی جاتی ہے کہ اس کا اپنا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ لارڈ ریڈکلف نے ملک کو اس طرح تقسیم کیا کہ اردو بولنے والے ہندوستان میں زیادہ رہ گئے پاکستان میں نہیں۔ پاکستان کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق وہاں اردو بولنے والے ۳۳ لاکھ ۷۰ ہزار ۴ سو ۳۰ ہیں جبکہ پاکستان میں کوئی ایسا علاقہ نہیں ہے جہاں اسے عوام کی مادری زبان کا درجہ دیا جاسکتا تھا۔

ہندوستان میں دو کروڑ تین لاکھ عوام کے باوجود جو اسے بولتے ہیں اس کو کوئی علاقہ نہیں دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ دہلی میں بھی نہیں اس حقیقت سے زبان کی کچھ پیچیدہ دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ گو کہ میرا خیال یہ ہے کہ اگر زبان رسم الخط اور کلچر کے لئے دستوری ضمانت موجود ہے اور اس پر عمل درآمد ہوتا ہے تو اس علاقہ کو اس زبان سے محروم نہ رہنا چاہئے۔ اس لحاظ سے اردو کا کوئی علاقہ نہیں ہے کہ بنگالی کا علاقہ بنگال ہے لیکن ہندی کی طرح اردو ہر ریاست میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جنوب کے دور دراز علاقہ میں بھی بولی جاتی ہے ۱۹۶۱ کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق اردو ہندی کے ساتھ ساتھ یوپی کے ۴۸ اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ درحقیقت دونوں کے علاقے ایک ہی ہیں۔

ہندوستان بہت سی زبانوں کا ملک ہونے کے ناطے اردو اور ہندی کا کوئی مخصوص علاقہ نہیں رکھتا ہے۔

بہرحال اردو کو کسی مخصوص علاقہ کے فقدان کی وجہ سے نہیں بلکہ اس حقیقت کے سبب سے تشویشناک طور پر زبردست نقصان اٹھانا پڑا کہ دستوری ضمانتوں کو یا تو نظر انداز کیا گیا یا پھر سرے سے ان پر عمل ہی نہیں کیا گیا۔ سولہ سال پہلے یوپی کے دو لاکھ ہندوؤں اور مسلمانوں کو دستخط شدہ پٹیشن انجمن ترقی اردو کی طرف سے صدر جمہوریہ کو پیش کیا گیا تھا کہ ہمارے دستور کی دفعہ ۳۴۷ پر عمل درآمد کیا جائے اور اردو کو اس ریاست کی دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور پٹیشن کو یکسر فراموش کر دیا گیا۔

۱۹۶۵ میں ایک بار پھر صدر جمہوریہ کو ایک میمورنڈم پیش کیا گیا جس میں دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیئے جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور یوپی کے سو ممبران اسمبلی نے جو مختلف سیاسی گروہوں سے متعلق تھے اس پر دستخط کئے تھے۔ لیکن اس کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور یہ مطالبہ کہ یوپی کو دو زبانوں کی ریاست بنا دیا جائے ابھی تک بغیر کسی جواب کے پڑا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی یوپی اسمبلی میں اپنی مادری زبان میں بولنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کو بھی اجازت نہیں دی گئی۔ ۱۹۶۵ ہی میں ۴۱ ممبران پارلیمنٹ نے اردو کو یوپی، بہار، مدھیہ پردیش، دہلی، پنجاب اور راجستھان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیئے جانے کے لئے ایک میمورنڈم وزیراعظم کو پیش کیا تھا لیکن حکام بالا کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

اردو کا کوئی علاقہ نہیں ہے کیونکہ یہ بین ریاستی زبان ہے لیکن یہ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی وجہ سے اردو بولنے والے عوام جو پندرہ دستوری زبانوں کو بولنے والوں کا پانچواں حصہ ہیں اپنے اس حق سے محروم رہیں۔ سندھی ریاست اور مینتھلی ریاست کا بھی مطالبہ اٹھایا گیا۔ لیکن اردو بولنے والے عوام اپنی زبان کے تعلیمی، تمدنی اور انتظامی امور کے تحفظ کی پوری ضمانت پر ہی مطمئن ہو سکتے ہیں۔ ان کے تمام مطالبات دستوری ڈھانچے کے اندر ہی پیش ہوئے ہیں اور ایک بار پھر دہرا دیا جائے تو کوئی حرج نہ ہوگا کہ ہر اقلیت کو دفعہ ۲۹ (۱) کے تحت اپنی زبان رسم الخط اور کلچر کے تحفظ کا حق ہے۔ دستور میں دفعہ ۳۵۰ (الف) کے تحت زبان کے تحفظ کا مزید حق دیا گیا ہے ہر مادری زبان کی ترقی کے لئے سہولتیں فراہم کی گئی ہیں اور اسے ذریعۂ تعلیم بنایا جاسکتا ہے۔

ذریعۂ تعلیم کے میدان میں پرائمری اور سکنڈری سطح پر اردو کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر کوٹھاری اور ڈاکٹر راؤ نے بار بار کہا کہ یونیورسٹی سطح پر ہندوستانی زبانیں ذریعۂ تعلیم رہیں گی۔

• الجمعیۃ

▲

مخدوم کی وفات پر تعزیتی جلسے

پچھلے دنوں "ہماری زبان" کو مخدوم کی وفات پر جن انجمنوں کی جانب سے تعزیتی جلسوں اور تجاویز کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:-

۱۔ انجمن ترقی اردو،
دہلی۔

۲۔ شیر شاہ اکیڈمی،
سہسرام

۳۔ حسینی بک سینٹر
ادے پور

۴۔ مخدوم اور راز چاندپوری کی وفات پر مشترکہ تعزیتی قرارداد، تمیر جلگانوی صاحب دھولگاؤں کے مکان پر ایک ادبی جلسے میں منظور کی گئی۔

مخدوم میموریل سوسائٹی

مخدوم محی الدین کی موزوں یادگار کے قیام اور ان کے خاندان کی امداد کے لئے بعض سرکردہ شہریوں اور مخدوم کے دوستوں نے "مخدوم میموریل سوسائٹی" قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان مقاصد کے لئے مالیہ کی فراہمی اور فنڈز جمع کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے۔

• رہنمائے دکن

اخبار و افکار

انجمن ہم عصر، علی گڑھ کی ادبی نشست

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ کی ادبی انجمن "ہم عصر" کی ایک مخصوص شعری و ادبی نشست شمس الرحمان فاروقی اور محمود ہاشمی صاحبان کے اعزاز میں ۱۱ ستمبر ۱۹۶۹ء کو ۶ بجے شام فیکلٹی آف آرٹس لاؤنج میں منعقد ہوئی۔ اس نشست میں طلبہ کے علاوہ ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی، شہریار، ڈاکٹر شمیم حنفی اور نعمان صدیقی صاحبان نے بھی شرکت فرمائی۔ نشست کنڈکٹ کرنے اور اراکین ہم عصر کا تعارف کرانے کے فرائض مرزا خلیل بیگ نے انجام دیے۔

سب سے پہلے اصغر عباس صاحب نے ہم عصر کا ایک تعارف پیش کیا اور اس کے وجہ قیام پر روشنی ڈالی۔ تعارف کے دوران انھوں نے بتایا کہ ہم عصر نے دانشگاہ علی گڑھ کے طلبہ کی اقامتی زندگی میں علمی و ادبی فضا پیدا کرنے میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ طلبہ کی خفتہ ادبی صلاحیتوں کو بیدار کیا ہے اور ان میں ایک نیا ادبی مذاق پیدا کیا ہے۔ اصغر عباس صاحب نے شمس الرحمان فاروقی صاحب کے مجموعۂ کلام "گنج سوختہ" کے اجرا پر ہم عصر کے ممبران کی جانب سے پرجوش مبارکباد پیش کی۔ اس نشست میں جن لوگوں نے اپنی شعری تخلیقات پیش کیں ان کے نام یہ ہیں۔ احمد اللہ صدیقی، انیس انصاری، منظور ہاشمی، ظفر مدنی، اعجاز اختر، احتشام اختر، احمد نقوی، شہاب عراقی، مرغوب حسن، مرزا خلیل بیگ، رحمت اللہ خرم اور قطب جامعی۔ نثری دور میں اعجاز اختر نے ایک افسانہ بعنوان "تتلی کے پر" سنایا۔ جاوید حبیب نے مختلف ادیبوں اور شاعروں پر لکھے گئے چند مزاحیہ ادبی خاکے پڑھ کر سنائے اور اصغر عباس نے "گوشہ میں سرسید کے تبصرے" کے زیر عنوان ایک سیر حاصل مقالہ پڑھا۔

نشست کے اختتام پر محمود ہاشمی صاحب اور شمس الرحمان فاروقی صاحب نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ محمود ہاشمی صاحب نے فرداً فرداً ہر ایک کی تخلیقات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ہم عصر میں مختلف علوم سے تعلق رکھنے والے طلبہ شامل ہیں اور ان کی کوششوں سے اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں۔ شمس الرحمان فاروقی صاحب نے تخلیقات پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ عام طور پر تخلیقات کا معیار بہت اچھا ہے۔ انھوں نے شاعری کے علاوہ طلبہ میں تنقیدی رجحان بھی پیدا کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے نشست میں پڑھی گئی غزلوں کو مجموعی طور پر بہتر قرار دیا۔ اپنی تقریر کے آخر میں انھوں نے فرمایا کہ کسی اور یونیورسٹی میں اس AGE GROUP کے طلبہ کی تخلیقات میں عام طور پر معیار کی یہ سطح غالباً نہ مل سکے گی۔

مرزا خلیل بیگ کنوینر "ہم عصر" مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مالک رام صاحب کے ادبی سفر کی روداد

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کی صدارت میں انجمن ترقی پسند مصنفین جامعہ نگر کا ایک جلسہ شام کو ۶ بجے ڈپارٹمنٹ آف ایڈلٹ ایکسٹینشن جامعہ ملیہ میں منعقد ہوا۔

مہمان خصوصی مالک رام صاحب نے اپنے حالیہ ادبی سفر کے تاثرات بیان کیے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی کی سرکردگی میں ایک ادبی وفد غالب صدی کے سلسلہ میں روس گیا تھا جس میں مالک رام، پروفیسر احتشام حسین، کیفی اعظمی اور مخدوم سلطانپوری شامل تھے۔ مالک رام صاحب نے اس سفر کے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تاشقند میں غالب سے متعلق سیمینار میں مقالے پڑھے گئے۔ غفوروف نے غالب کے فارسی کلام کے نسخوں کا ذکر کیا۔ ابوریحانی لائبریری میں غالب کے کلام کا قیمتی نسخہ، غزوات ہندوستان (قلمی) اور طبقات اکبری وغیرہ کے ازبکی زبان میں ترجمے موجود ہیں۔ پنج گنج کا ایک نسخہ ازبکی زبان میں ہے۔ امیر خسرو کی تین مثنویاں حافظ شیرازی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔

فرغانہ ایک شاداب و پرفضا مقام ہے۔ کیفی اعظمی نے اس کے ماحول سے متاثر ہوکر ایک نظم "گلابوں کا وطن" لکھی۔ ایک اسکول میں اردو ہندی پڑھائی جاتی ہے۔ اسکول کے بچوں نے اردو گیت سنائے۔ شام کو ازبکی شعرا کے اجتماع میں ڈاکٹر عبدالعلیم نے اپنی ایک نظم سنائی جس کا ایک شعر نذر قارئین ہے۔

کہاں کہاں سے چلے آرہے ہیں دیوانے
مرے نگار میں کتنی کشش ہے کیا جانے

دوشنبہ یونیورسٹی میں غالب کے اردو دیوان کا تاجکی میں ترجمہ موجود ہے۔ لندن میں "فال نامہ غالب" کو دیکھا در اصل وہ "قادر نامہ غالب" ہے جو غلطی سے اس طرح چھپ گیا ہے۔ جرمنی میں حیدر بخش کی طوطا کہانی، بہادر علی حسینی کی چہار درویش، دیوان سودا کا نسخہ اور نواب نصیرالدین حیدر کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا قلمی نامہ محفوظ ہے۔ پیرس میں تذکرۂ سرور، سفرنامہ ابھی چند موجود ہے۔ طہران میں قرآن کا قلمی نسخہ، دیوان فیضی کا نسخہ اور بہار اللہ کی الہامی کتاب [illegible] میں محفوظ ہے۔"

مالک رام صاحب کی معلومات افزا تقریر کے بعد صدر جلسہ نے فرمایا کہ مالک رام صاحب نے تحقیقی میدان میں جو کام کیا ہے وہ اردو ادب کی

اہم خدمت ہے اور دوسروں کے لئے مشعل راہ ہے۔

سکریٹری انجمن ڈاکٹر سیفی پریمی نے شکریہ ادا کیا۔

● سیفی پریمی سکریٹری

ایک ادبی نشست

دلی رائٹرز ایسوسی ایشن کی طرف سے نوجوان شاعر اور ایسوسی ایشن کے سکریٹری کیلاش ماہر کے اعزاز میں ایک ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں دلی کے تقریباً چالیس شاعروں، ادیبوں اور ادب دوستوں نے شرکت کی۔ نشست کی صدارت گوپال متل صاحب نے کی اور اس کا آغاز کیلاش ماہر کی تقریر سے ہوا جس میں انھوں نے اس جلسے کا اہتمام کرنے والے دوستوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دلی رائٹرز ایسوسی ایشن کی اب تک کی کارگزاریوں کی مختصر روداد بیان کی اور توقع کا اظہار کیا کہ آئندہ ایسوسی ایشن اور بھی زیادہ فعال اور کارگزار ہو جائے گی۔ ان کے بعد سریندر پرکاش نے اپنی تقریر میں ایسوسی ایشن کے عہدیداروں کے سامنے کچھ نئی تجاویز رکھیں جن پر ایسوسی ایشن کے صدر جناب کرشن موہن نے اپنی پسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے کسی اگلی نشست میں ان پر تفصیلی غور کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد شعرخوانی کا دور چلا جس میں کے۔ ایم۔ سہگل، انوار انجم، اصغر احمد صوفی، محمود سعیدی، بلیش پال، بانی، حسن نعیم، سریندر وحیر، عتیق حنفی، زبیر رضوی، کمار پاشی، مہدی حیدر، کرشن موہن اور صدر جلسہ جناب گوپال متل نے اپنا کلام سنایا۔

اس نشست کے داعی اور میزبان جناب کیول کرشن وڈیرہ تھے جنھوں نے اپنی کوٹھی کے لان پر ہی پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔

● نامہ نگار

بھوپال میں بزم جگر مرادآبادی کا قیام

۷ ستمبر ۱۹۶۶ء کی رات کو جناب اسرار احمد خاں کے مکان پر ایک جلسہ زیر صدارت جناب محفوظ علی صاحب رزمی منعقد ہوا جس میں بہت سے ادب دوست حضرات اور شیدائیان کلام جگر نے شرکت کی۔ جناب وحید شاہجہری نے جگر مرحوم کی بھوپال سے دیرینہ وابستگی اور گہرے تعلق خاطر نیز ان کے فن کی عظمت پر روشنی ڈالتے ہوئے بزم جگر کے قیام کی تجویز پیش کی۔

اس جلسے میں انجمن کے نئے عہدیداروں کا انتخاب بھی کیا گیا۔

● اسرار احمد خاں جنرل سکریٹری بزم جگر مرادآبادی بھوپال

ایک گذارش

میرے والد محترم مولانا شاہ ابوالحسن ادیب مرحوم نے بہت سی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن ذیل میں ان کتابوں کے نام دے رہا ہوں جو مجھے درکار ہیں۔ میں قارئین سے گذارش کرتا ہوں کہ ان میں سے کوئی کتاب وہ ازراہ کرم ہدیتاً یا قیمتاً عنایت فرمائیں تو میں ممنون ہوں گا یا جن حضرات کی نظر اردو لائبریریوں میں ان میں سے کسی کتاب پر پڑی ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ نقلیں حاصل کی جاسکیں۔ اگر کوئی نسخہ ہو تو اطلاع دیں ہر قیمت پر یہ کتابیں لے لی جائیں گی۔

"اردو ادب"

منظوم تصنیفات	نثری تصنیفات
۱۔ احتساب العقاید	۱۔ جواہر البلاغت
۲۔ عقاید ادیب	۲۔ غازی اعظم
۳۔ یلغار موت	(نواب حیدر علی خاں بہادر کے حالات)
۴۔ قاصد قیامت	۳۔ خزینۂ ادب
۵۔ خارزار محشر	(ادبی مضامین)
۶۔ دغدغۂ دوزخ	۴۔ جوہر اردو
۷۔ گلزار جنت	۵۔ اصول تعلیم
۸۔ لمعات زہد	۶۔ مثنوی "صبح امید" کی شرح
۹۔ حسن ارادت	
۱۰۔ رنگ تغزل	
۱۱۔ موج کوثر	
۱۲۔ چشمۂ کوثر	
۱۳۔ نہر سلسبیل	

"فارسی ادب"

۱۔ آئینۂ اصلاحات میسور	(نثر)
۲۔ نوائے مسرت	(نظم)
۳۔ نشید مسرت	(")
۴۔ ہوش نامہ	(")
۵۔ پندنامۂ ادیب	بطرز کریما
۶۔ دراج نامہ	بطرز شاہنامہ فردوسی
۷۔ دریائے نور	(نظم)

● نجم الحسن انجم ادیب

معرفت مسلم بک ڈپو، ۱۲ نیو مارکیٹ بنگلور

میسور اسٹیٹ

نذر غالب

شعراء وادبا سے گذارش ہے کہ اپنی وہ تخلیقات منظوم یا نثری۔ جو انھوں نے "نذر غالب" کے طور پر پیش کیں، ارسال فرمائیں۔ یہ تمام تخلیقات ایک عنوان کے تحت یکجا کی جارہی ہیں۔

اس مجموعہ میں وہی تخلیقات شامل کی جائیں گی جو غالب صدی کے پہلے سال میں رسائل و اخبارات میں شائع ہوئی یا ہوں گی۔

پتہ: رفعت حسینی مرزا، ڈی۔ پال برادرز، جمشید پور۔ ۱

تبصرہ

ڈاکٹر شمیم حنفی

کتاب: صحرا صحرا (مجموعۂ کلام)
مصنف: صبا جائسی (علیگ)
ناشر: کتاب گھر، علی گڑھ
قیمت: دو روپے ستر پیسے

صبا جائسی اور کبیر احمد جائسی — ان دو ناموں کے ساتھ نثر و نظم کی جو سرگرمیاں وابستہ ہیں ان کا نتیجہ خاصی اچھی مقدار میں سامنے آیا ہے۔ کبیر احمد جائسی نے فارسی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے علاوہ اردو سے متعلق علمی اور ادبی مضامین اچھی بڑی تعداد میں لکھے ہیں اور صبا جائسی کی غزلیں (نظمیں میں نے نہیں پڑھیں یا پڑھی ہیں تو اس وقت ذہن میں نہیں) اردو رسائل میں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں، اور ان کا مجموعی تجزیہ کیا جائے تو ایک ایسے ادب سے ملاقات ہوتی ہے جس نے اردو شعر و ادب کی کلاسیکی روایات اور عجمی ثقافت و ادب سے ان روایتوں کے روابط کے سائے میں اپنے ادبی مزاج کی تشکیل کی ہے۔

"صحرا صحرا" صبا جائسی صاحب کی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ چونکہ وہ فارسی ادب کے باقاعدہ طالب علم رہے ہیں اور ان کی شعری سرگرمیوں کی مدت کا نقطۂ آغاز اس ادبی فضا سے وابستہ ہے جس میں جدید تر غزل کے نشانات بہت دھندلے تھے اس لئے ان کی غزل کا مجموعی تاثر روایتی غزل کا ہے۔ بزم ناز، تبسم حسیں، محشر دخنجر، بے خودی اور تلخیٔ آلام، ساز جنوں اور تارگریباں، یہ ترکیبیں شعر کی داخلی ہیئت پر جس طرح اثر انداز ہوتی ہیں اس کے ردعمل کے طور پر احساس کے جو خاکے مرتب ہوتے ہیں انھیں اردو کی عام متغزلانہ غزل سے ممتاز کرنا آسان نہیں۔ لیکن صبا جائسی صاحب کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے مذاق سخن کی تبدیلیوں کو بہ نظر تمسخر دیکھنے کے بجائے ان کے آئینے میں اپنی فکر کے خال و خط بھی سنوارے ہیں۔ اسی لئے ان کے یہاں:-

لاکھ ہم لوگ بٹے جائیں بقدر ہمت
میکدہ درد کا اشکوں سے نہ خالی ہوگا

اور — میرا جنوں تو راز نہیں ہے
تیرا تغافل کیوں ہے راز

کے ساتھ ساتھ — اب سنوں بھی بھر کے اپنی ہی صدائے بازگشت
گنبد بے در میں گونجی کس نے میری صدا

اور — اے وادیٔ سراب یونہی رہنما جلوہ گر
ممکن ہے آ کے پھر میں یہیں آرمیدہ ہوں

جیسے اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی دو کرشمے ایک ساتھ صبا صاحب کے دامن دل کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں۔ روایت کا اثر اسی صورت میں قابل قدر ہو سکتا ہے جب شعری کردار کی انفرادیت اس سے مغلوب ہونے کے بجائے اس کے تعاون سے خود کو زیادہ نمایاں کر سکے۔ یہ کوشش صبا صاحب کے یہاں اکثر نظر آتی ہے اور اگر انھوں نے اس طرف کچھ اور توجہ سے کام لیا تو اپنی راہ کے تعین کی منزل سے وہ بہت دنوں تک دور نہ رہیں گے۔

ایک بات اور — کسی تخلیقی فن کار کو مبصر کا مشورہ وجاہت مناسب نہیں لیکن صبا صاحب اردو اور فارسی دونوں زبانوں سے چونکہ اچھی واقفیت رکھتے ہیں اس لئے بہتر ہوگا کہ شعری زبان اور اس کی خارجی ہیئت کی تشکیل کے سلسلے میں ان کا رویہ مزید غور و فکر کا حامل ہو۔

کیسے کیسے سنگ گراں اس راہ وفا میں ملتے رہے
پیر کا پھر بھی پھیلا، کانٹا کانٹا کرتا تھا

سب بھول چکا ہوں میں تو تری یاد کا عالم
یہ یاد ہے اک شعلہ پالی سے اٹھا تھا

جیسے اشعار کا صوتی اور تکنیکی تاثر زیادہ خوشگوار نہیں ہے۔

اس مجموعے کی چار غزلیں فارسی کی ہیں۔ چند اشعار نے مجھے خاص طور سے متوجہ کیا۔

ندیدہ است دلم زخمۂ زمانہ را
بجز تم کہ نوای رنگ گلو ز کجاست؟

سکون ناآشنا دائم خراماں
عجب چیز نیست این مشت غبارم

مجموعے کی طباعت معمولی ہے اور کتابت کی طرف سے بہت غفلت برتی گئی ہے۔

▲

کتاب ملی

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

غالب زندہ ہے۔ (انگریزی ملیالم)
مصنف: ڈاکٹر آمنہ خاتون
ملنے کا پتہ: ڈاکٹر آمنہ خاتون صدر شعبہ اردو فارسی مہارانی کالج بنگلور
صفحات: ۹۶ قیمت: پانچ روپے

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید ضیاء علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کی